ایک گمنام شاعر

(جناب مولوی امتیاز علی خاں صاحب عرشیؔ ناظم کتب خانہ ریاست رامپور)

اردو ہی پر موقوف نہیں، ہر زبان کے مشہور شاعروں کی تعداد، گمناموں کے مقابلے میں کم ہوا کرتی ہے۔ آپ نے یہ شعر بار بار سنے ہوں گے :-

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہاتھ — دیکھا جو مجھ کو، چھوڑ دئے مسکرا کے ہاتھ

دینا وہ اس کا ساغرِ مے یاد ہے، نظامؔ — منہ پھیر کر اُدھر کو، اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

مگر کتنے ہیں جو یہ جانتے ہوں کہ نظام کون تھے، کہاں کے تھے اور کیا کہتے تھے۔

لوگ کہتے ہیں گمنامی کی وجہ شاعر کی بدنصیبی ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں، مگر بدنصیبی کا باعث اپنے کلام کی خوبیوں پر بیجا اعتماد ہوا کرتا ہے۔ پہلے زمانے میں مشک خود بو دیتا ہوگا۔ اب تو عطار کو بتانا پڑتا ہے کہ یہ کیا ہے اور اس کی بو کیسی ہے۔

رامپور کے شاعر اسی بدنصیبی کی بدولت بیرونی حلقۂ ادب میں کم مشہور ہیں حالانکہ ان میں ایسے بھی ہو گزرے ہیں جو ہندوستان کے بڑے بڑے استادوں کی ٹکر کے تھے۔ غالب کا مشہور شعر ہے :-

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے، دریا لیکن — ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیٔ منصور نہیں

رامپور کے ایک شاعر نے بھی یہی مضمون باندھا ہے۔ مگر اس نے نہ منصور کو گھٹایا اور نہ اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ کہتا ہے :-

اے نوا سنج انا الحق ترا دعویٰ حق ہے لیک دستور نہیں قطرے کو دریا کہنا

غالب ہی کا ایک اور مشہور شعر ہے:-

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

بات بڑے مزے کی کہی ہے۔ گو یہاں بھی چھپا ہوا طنز موجود ہے۔ رام پور ہی کے دوسرے شاعر نے اس قافیے میں طبع آزمائی کی ہے کہتا ہے:-

لاکھ جانیں ہوں تو قرباں ہیں اس کہنے پر آپ آنسو نہ بہائیں مرا حال اچھا ہے

یہ اور اسی قسم کے بہت سے بلند پایہ شعر جب کبھی میں نے کسی خوش ذوق دوست کو سنائے تو سننے والے نے کہنے والے کے متعلق اکثر لاعلمی کا اظہار کیا۔ اوروں کا ذکر چھوڑیئے مجھے یقین ہے کہ آپ نے بھی اساتذۂ رام پور کا کلام بہت کم پڑھا اور سنا ہوگا ایک قصیدے کے چند ابتدائی شعر ملاحظہ فرمائیے:-

شکستِ رونقِ بازارِ ناکامی کا ہے ساماں جہاں سے دودِ شمعِ کشتہ بن کر اڑ گیا حرماں

بہارِ شادمانی کا ستارہ آج یہ چمکا زحل ! گلدستۂ انجم میں ہے اک تو گلِ خنداں

خوشی بالیدہ یوں ہوتی ہے جیسے نشۂ صہبا مسرت اس طرح بڑھتی ہے جیسے عشق کا ارماں

رگِ جاں میں ہے یوں ریشہ دواں کیفیتِ شادی کہ جیسے تاک کی رگ رگ میں موجِ بادہ ہو پنہاں

دوسرے قصیدے کے چند مدحیہ شعر سنئے:-

اے ترے قول و عمل میں صفتِ معنی و لفظ اے ترے عہد و وفا میں روشِ نقش و نگیں

تیرے رہوار کا ازبس کہ ہے بارِ احساں دب گئی ایسی کہ اب اٹھ نہیں سکتی ہے زمیں

ہے ترے ناخنِ احساں کا تصرف ایسا روئے عالم پہ نہیں ہے گرہِ چینِ جبیں

تیسرے قصیدے کی دعا ملاحظہ ہو:-

رہے جب تک جہاں میں بزم حسن و عشق کی گرمی — رہے جب تک نیاز عاشقاں و ناز معشوقاں
ترے بخت ہمایوں پر رہے فیض ازل مفتوں — تری تقدیر کی نسبت سے چرخ ہشتمیں نازاں
وفا بھی ہو سخن سنج و دعا گوی و ثنا گستر — ترا بذل و کرم ہو قدر افزائے دعا گویاں
ہمیشہ روز افزوں ہو، ہمایوں ہو مبارک ہو — تجھے سرمایۂ دولت تجھے مداحی شایاں

ان شعروں کو سن کر آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ شاعر قصیدہ گوئی میں کیا درجہ رکھتا ہے اب ایک غزل پیش کرتا ہوں :-

اب دل میں ہے تصور جاناں نہ کیجئے — وہ لاکھ بار آئے تو مہماں نہ کیجئے
مر جائیے طبیب کی صورت نہ دیکھئے — شو زخم تیغ کھائیے درماں نہ کیجئے
رگ رگ میں ایک تیز سا نشتر چبھوئیے — لیکن خیال ناوک مژگاں نہ کیجئے
طول شب فراق کا افسانہ چھیڑئیے — لیکن بیان زلف پریشاں نہ کیجئے
در پردہ دل پہ آہ سے بجلی گرائیے — لیکن تلاش جلوۂ پنہاں نہ کیجئے
توفیق ہو، تو دونوں جہاں بھی نہ لیجئے — ہمت پڑے، تو چارۂ ہجراں نہ کیجئے
ناخن کو دل میں توڑ کے بس چھوڑ دیجئے — یاد جگر خراشی پیکاں نہ کیجئے
خنجر سے بات کرنے کی حسرت نہ کیجئے — دشنے سے منہ لگانے کا ارماں نہ کیجئے
ناچار اپنا ہاتھ ہی رکھ لیجے زیر سر — لیکن خیال زانوئے جاناں نہ کیجئے
لب ہائے زخم دیکھئے اور خوب روئیے — امیدواری لب خنداں نہ کیجئے
دل بستگی کو عقدۂ امید سونپئے — مجموعۂ خیال پریشاں نہ کیجئے

گھر لوٹ لیں، وفاؔ، جو نہیں ہے، نہیں سہی
سر کاٹ لیں زباں کے عوض ہاں نہ کیجئے

دوسری غزل کے دو چار شعر عرض ہیں:۔

یارب وہ داغ دے کہ تمنا کہیں جسے — رشکِ ہزار نقشِ سویدا کہیں جسے
کس کی نگاہ مست کا جلوہ ہے دیکھنا — سر جوشِ گرئی خم صہبا کہیں جسے
کس سے کہوں کہ لاکھ امیدیں مٹا گئی — وہ ایک بات رنجشِ بیجا کہیں جسے
اس دل شکستگی پہ عنایت ہوا مجھے — اک عالم ہوس غم دنیا کہیں جسے
باقی ہے آنکھ میں ابھی اک پرتوِ خیال — وہم نگاہ و دیدہ عنقا کہیں جسے
کام آپڑا ہے اس بت عیار سے دفاؔ — خود بین و خود فروش و خود آرا کہیں جسے

تیسری غزل کے چند اشعار سنیئے:۔

اک تری بات میں امید کے سو سو پہلو — اک خموشی سے تری لاکھ حکایت ہم کو
اک بگڑنے میں ترے لاکھ درستی اپنی — اک عداوت سے تری لاکھ محبت ہم کو
مٹ گیا عقدہ دل کشمکشِ ناخن میں — یاس کو مژدہ کہ حاصل ہے فراغت ہم کو
سادگی دیکھ کہ اس قطع تعلق پہ بھی ہے — تجھ سے بے رحم سے اک گونہ شکایت ہم کو

چوتھی غزل ملاحظہ فرمایئے:۔

عذر خجلت کے پردہ میں فکر جفا ہے کیا — ظالم پھر امتحانِ امیدِ وفا نے کیا؟
پہلے کسی کے ناخنِ تدبیر توڑنا — پھر یہ مچلنا کہ عقدۂ بندِ قبا ہے کیا؟
افسونِ شوق گوششِ دو عالم میں پھونکنا — پھر مانگنا کہیں دل بے مدعا ہے کیا؟
مجبور ہو کے غیر کو اپنا بنا لیا — ظالم کی دشمنی بھی محبت فزا ہے کیا؟
در پردہ پھر یہ رنجشِ طاقت گسل ہے کیوں؟ — بے پردہ پھر یہ ناز خمِ صبر آزما ہے کیا؟
جادو طرازی سخن دل نشیں ہے کیوں؟ — نیرنگ وعدہ ہائے تسلی فزا ہے کیا؟

اک رباعی بھی سنتے چلئے۔ کہتا ہے:۔

حسرت نے کہا کہ دردِ پنہاں میں ہوں قسمت نے کہا کہ رنجِ حرماں میں ہوں

اک اک نے تسلیاں دلِ زار کو دیں بول اُٹھی قضا کہ سب کا درماں میں ہوں

مجھے یقین ہے، آپ نے پہلی بار یہ کلام سنا ہے اور تعجب کر رہے ہوں گے کہ ایسے پاکیزہ گو شاعر کے حالات اور اشعار سے اردو ادبی دنیا کیوں غفلت روا رکھ رہی ہے۔

میں آپ کے اس جذبہ سے فائدہ اُٹھا کر عرض کرتا ہوں کہ یہ شاعر جس کا کلام آپ نے سنا وفاؔ تخلص کرتا تھا۔ نام عبدالہادی خاں قوم علزئی پٹھان، اور وطن رام پور تھا۔ وفاؔ کے دادا مولوی ہزار میر خاں تازہ ولایت اور بہت بڑے عالم تھے۔ والد محمد یعقوب خاں فوج اور پولیس کے معزز عہدوں پر ملازم رہے وفاؔ نے ہوش سنبھالا، تو گھر میں علم دولت اور عزت سب کچھ دیکھا، ماں باپ نے نازو نعم کے ساتھ پالا پوسا اور فارسی و عربی کی مکمل تعلیم دلائی۔ وفاؔ نے مولوی عبدالحق خیرآبادی سے منطق و فلسفہ کی اور اپنے ماموں حکیم محمد حسین خاں رام پوری سے طب کی تکمیل کی۔ والد کے انتقال کے بعد کھیل بگڑا اور طلب معاش کی خاطر گھر سے نکلنا پڑا۔ تو وفا بھوپال پہنچے۔ وہاں نائب تحصیلداری کے عہدے پر کچھ دن کام کیا تھا کہ کسی بات پر ناراض ہو کر واپس چلے آئے اور علی گڑھ میں مطب شروع کر دیا۔

شروع شاعری کا شوق بچپن سے تھا اور فارسی اُردو دونوں زبانوں میں کہتے تھے مولانا حسرت موہانی نے لکھا ہے کہ "فارسی کلام میں کسی سے اصلاح لینے کا حال معلوم نہیں ہوا۔ البتہ اُردو کی دو ایک غزلیں ابتدا میں مرزا داغ کو دکھائی تھیں اور اس کے بعد

کچھ کلام امیر مینائی مرحوم کی نظر سے گزرا تھا مگر حق یہ ہے کہ مرحوم خود اپنی طبیعت خدا داد کے شاگرد تھے، اور ان دونوں اُستادوں سے شاگردی کا تعلق برائے نام اور محض اک رسم قدیم کی تقلید تھی، ورنہ اُن کے رنگ سخن کو داغ و امیر کے رنگ سے کچھ واسطہ نہیں۔"

خود وفا نے ایک مقطع میں لکھا ہے کہ

اے وفا شیفتہ و مومن و غالب ہوں میں　　میں نے کچھ رنگ اُڑایا ہے غزل خوانی کا

لیکن میری رائے میں مزاج کی آزادی، طبیعت کی مشکل پسندی۔ احساس کی نزاکت اور نظر کی بلندی میں وفا کو غالب سے زیادہ مشابہت ہے، یہ اتفاق تھا کہ جو کچھ غالب پر گذرا تھا ویسا ہی وفا کو بھی پیش آیا نتیجہ یہ نکلا کہ روش فکر اور طرز ادا دونوں میں مومن سے زیادہ غالب کا اثر وفا کے کلام میں نمودار ہو گیا۔ فارسی ترکیبوں کی بناوٹ نادر تشبیہوں اور استعاروں کی سجاوٹ، تخئیل کی شگوفہ کاری اور اس پردے میں حسرت و یاس اور ناکامی و محرومی کا بیان سراسر غالب کی زبان اور قلم سے نکلا معلوم ہوتا ہے

غالب کے عشق نے ابھی وحشت کا رنگ نہ پکڑا تھا کہ انھیں مرگ محبوب پر سوگوار ہونا پڑا۔ وفا کو بھی ایسا ہی سانحہ پیش آیا تھا جس پر انھوں نے دو مسلسل غزلیں لکھی ہیں پہلی یہ ہے:

مل گئی خاک میں وہ انجمن آرا ہے ہے!　　قالب گور میں ہے جان تماشا ہے ہے!

بیکڑوں انجمن ناز کا مٹنا، صد حیف!　　ایک محبوبہ طناز کا مرنا، ہے ہے!

حسن ہے، ماتم حسن خدا خیر کرے!　　بزم خوباں میں جواں مرگ کا رونا ہے ہے!

کھلنے پایا بھی نہ تھا رنگ جوانی اب تک　　ٹوٹ کر رہ گئی شاخ گل رعنا ہے ہے!

غیر کہلائیں ادائیں بھی گراں تھیں جس کو　　ایسے نازک پہ اجل کا یہ تقاضا ہے ہے!

بے نیازی ہی سہی پر اسے کیا کہتے ہیں　　کھچ گئے اتنے کہ بس رہ گئے تنہا ہے ہے!

اے وفا وہ بھی اُٹھائے تو نہیں اُٹھ سکتا — حسنِ خوں ریز نے چھوڑا ہے وہ پردا ہے ہے!

دوسری غزل غالب ہی کی زمین میں صرف قافیہ بدل کر لکھی ہے:۔

یاد آتا ہے وہ لطفِ زندگانی ہائے ہائے! — ہم بغل اک حاصلِ عمرِ جوانی ہائے ہائے!
شاہدِ رنگیں قبا، جس کا نمونہ شاخِ گل — وہ خرامِ ناز اس کی گل فشانی ہائے ہائے!
عشق ممنونِ نوازشہائے پیہم واہ واہ! — حسن مصروفِ کرمہائے نہانی ہائے ہائے!
ہر سخن اک وعدہ، ہر وعدہ طلسمِ ناز تھا — دل فریبی، دل ربائی، دل ستانی ہائے ہائے!
نازشِ پنہاں کے بدلے ہیں ہزاروں التفات — رنجشِ ظاہر سے پیدا مہربانی ہائے ہائے!
دل نہ جانے جس کو، وہ اک خاص اندازِ وفا — میں نہ سمجھوں جس کو، وہ لطفِ نہانی ہائے ہائے!
اب وہی میں ہوں وفاؔ اور ماتمِ صد آرزو — اب وہی دل اور وہی پچھلی کہانی ہائے ہائے!
پردۂ فرقت پڑا ایسا کہ اُٹھ سکتا نہیں — کاش اُٹھ جاتے حجابِ زندگانی ہائے ہائے!

غالبؔ نے منہ بولے بیٹے کی جواں مرگی کا داغ اُٹھا کر کہا تھا۔ قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور۔ وفاؔ کا دس بارہ برس کا پھول سا بیٹا چراغ سے جل کر دنیا سے سدھارا، تو انھوں نے یہ مرثیہ لکھا:۔

پھر تازہ امتحانِ وفاؔ ہے، وفا کے بعد — کیا رہ گیا تغافلِ صبر آزما کے بعد
عادت ہے اضطراب کی عادت کو کیا کروں — روتا ہوں درد کو، دلِ درد آشنا کے بعد
تو جل گیا کہ خانۂ امید جل گیا — دل بجھ گیا ترے سخنِ دل کشا کے بعد
ہے ہے، قضا نے تجھ کو دیا آتشیں کفن — کیا داغِ تازہ دے کے چلی ہے قضا کے بعد
ہے ہے بہارِ آبلہ و سوختہ بدن — ہاں، صبر، جاں گدازی برقِ فنا کے بعد

ان اشعار سے اندازہ ہو سکے گا کہ غالبؔ و وفاؔ کی سرشت میں کتنی یکسانی تھی۔

فرماتے ہیں:۔

دو عالم اس طرف ہیں، اس طرف محرومیٔ قسمت — چلو، اب امتحانِ ہمت مردانہ ہو جائے
بتا اے یاس تو کیا ہے تری ہمت کہاں تک ہے — کہ پرواز پر امید، مرگ ناگہاں کب تک
میں سکھاؤں ہمت عنقا کو بال افشانیاں — سر اٹھانے دے اگر ذوقِ گرفتاری مجھے
نزع میں بے کسیٔ نزع کا ماتم ہے ہے — اے وفاؔ، پرسشِ احباب کا ارماں ہے مجھے
جان و سرمایۂ حرماں، دل و بے حوصلگی — وا دریغا، پر امید ہو، پرواز نہ ہوا
جو سبک سر ہیں، آزاد رہا کرتے ہیں — دیکھ لو نکہتِ گل، بستۂ زنجیر نہیں

نواب جنت مکاں کے عہد کا واقعہ ہے۔

صاحبزادہ مصطفیٰ علی خاں بہادر شررؔ ہوم سکریٹری نے توپ خانہ کے میدان میں مشاعرہ کیا وفاؔ اور ان میں پرخلوص ربط تھا۔ علی گڑھ سے یہ بھی با اصرار بلائے گئے۔ طرح کے مصرع دو دیے گئے تھے، وفاؔ نے پہلے جو غزل پڑھی اس کے چند شعر یہ ہیں:۔

عرصۂ محشر کی رونق اک تمہارے دم سے ہے — ہاں طلوعِ مہر سے ہے گرمیٔ بازارِ صبح
آپ کے جلوے سے اونچا آپ کا عالی دماغ — آپ کے منظر کے نیچے، دیدۂ بیدارِ صبح
تیرے ہوتے اک دھواں بزم چراغانِ نجوم — تیرے آتے شبستاں ہے تجلی زارِ صبح

دوسری غزل کے سنانے کی باری آئی تو وفاؔ نے مطلع پڑھا:۔

شوخیِ ناز کی تصویر ہے تصویر کے ساتھ — موجۂ خندہ ہے، جوشِ مے تقدیر کے ساتھ

پہلی ہی غزل سے محفل میں رنگ جم چکا تھا اس مطلع کے بعد یہ شعر پڑھے:۔

رشتۂ عمر میں اک اور گرہ ڈال گئے — دل کو بھی توڑ گئے، ناخنِ تدبیر کے ساتھ
جم گئے پہلوی دل میں غمِ دل کے نقشے — بن گئے سیکڑوں گھر، حسرتِ تعمیر کے ساتھ

جاؤ تم عالم فرصت کے تماشے دیکھو چھوڑ دو گردش تقدیر کو تقدیر کے ساتھ

تحسین و آفریں کی بارش ہو رہی تھی کہ وفا نے یہ شعر پڑھا اور اسی پر گویا بزم مشاعرہ کی ہما ہمی ختم ہو گئی :-

روح پروانۂ ناشاد کی رخصت ہے یہ! کچھ دھواں سا نظر آیا لب گلگیر کے ساتھ

سرکار جنت مکان نے قدر دانی فرمائی ، اور زمرۂ اطبائے خاص سو روپیہ ماہوار پر ملازم رکھ لیا وفا کی نازک مزاجی نے وطن میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور یہ کسی نہ کسی بہانے ترک ملازمت کر کے علی گڑھ چلے گئے۔ ضلع علی گڑھ کے تمام رئیس ان کی حذاقت و مہارت کے قائل ہوتے گئے اور جب وقت آیا کہ اپنی خدا داد لیاقت کے جوہر دکھا کر اپنے اہل و عیال کی زندگی کو زیادہ پر سکون بنائیں کہ اچانک حدیث فکر تپ دق بن کر نمودار ہوئی اور رامپور کا یہ بے بدل شاعر ۴۷ سال کی عمر میں ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا منشی احمد علی شوق قدوائی نے یہ مصرع تاریخ کہا :-

عبد الہادی خاں وفا نے راہ عدم کی لی ہے آج

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد سوم

جو ۱۹۴۶ء کی مطبوعات میں سے ہے طبع ہو کر پریس سے آگئی ہے ۔ قیمت غیر مجلد للعہ ۱۹۴۶ء کی دوسری اہم کتاب " ترجمان السنہ " ارشادات نبوی کا جامع اور مستند ذخیرہ بھی طبع ہو کر پریس سے آگیا ہے۔ قیمت غیر مجلد عـــہ ، مجلد عـــہ